اکیسویں صدی میں اردو افسانہ (۹/۱۱اور کوویڈ۱۹ کے تناظر میں)

Urdu Short Story in Perspective of 9/11 and Covid19

ڈاکٹر سائرہ ارشاد* ، ڈاکٹر نازیہ پروین**

Abstract:

Pakistan is considered not only an important Islamic state but also a neighbor and friend of Afghanistan which became a battleground for global imperialism after 9/7. The fear, anxiety and anguish created by the effects of 9/7 on Pakistani language and literature, where it had profound effects on other walks of life, also affected literature. Similarly, in the second half of this century, when the epidemics spread in the post-colonial society, on the one hand, the possibilities, implications and fears of the epidemic began to appear in the people, at the same moment, such multinational institutions appear in our society. In this context, where the world of literature has found a new direction, Urdu fiction could not remain unmindful. Although the subjects of written Urdu fiction cause psychological problems, it can also be considered as a connection with the society.

Key words: Extremism, national integrity, global perspective, chaos, terrorism, Lockdown, exploitation, quarantine, pandemic

پاکستان اہم اسلامی مملکت ہی نہیں بلکہ ۹/۱۱ے بعد عالمی سامراج کے لیے میدانِ جنگ بننے والے ملک افغانستان کا ہمسایہ اور دوست ملک تصور کیا جاتا رہا ہے۔ پاکستانی زبان و ادب پر ۹/۱۱کے اثرات کے نتیجے میں پیدا ہونے والے خوف، بے چینی اور کرب نے جہاں

*لیکچرر، شعبہ اردو، گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونی ورسٹی بہاول پور

**اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، فیصل آباد

دیگر شعبہ ہائے زندگی پر اپنے گہرے اثرات مرتب کیے وہاں ادب بھی متاثر ہوا۔اسی طرح اس صدی میں دوسرا مسئلہ کوویڈ۱۹ رہا، مابعد نوآبادیاتی سماج میں جب وبائیں سر اٹھاتی ہیں تو ایک طرف لوگوں میں وبا کے ممکنات، مضمرات اور خدشات نظر آنا شروع ہوتے ہیں تو عین اسی لمحے کثیر الاقومی ایسے ادارے ہمارے سماج میں دکھائی دیتے ہیں جنہیں ہم اس وبا سے نجات دہندہ قرار دینے میں بہ یک جنبش قلم پابہ رکاب ہوتے ہیں۔اس سیاق کو پیش نظر رکھتے ہوئے جہاں دنیائے ادب کو نیا رخ ملا وہیں اردو افسانہ بھی غافل نہ رہ سکا۔۹/۱۱ اور کرونائی صورتحال کے پس منظر میں لکھے گئے اردو افسانے کے موضوعات اگرچہ نفسیاتی مسائل کا باعث بنتے ہیں تاہم معاشرے سے جڑت کا سبب بھی قرار دیئے جا سکتے ہیں۔

کلیدی الفاظ: شدت پسندی، ملکی سالمیت، عالمی تناظر، انتشار، دہشت گرد، لاک ڈاون، استحصال، قرنطینہ، موزی وبا

اکیسویں صدی کے آغاز ہی میں کچھ ایسی صورتِ حال سامنے آئی کہ پوری دنیا کا نقشہ بدل کر رہ گیا۔ یہ صورتِ حال امریکا میں رونما ہونے والے ۹/۱۱ ایسے حادثے کی صورت میں نمایاں ہوئی تھی۔ یہ بظاہر کسی ملک پر حملہ نہیں تھا۔ دراصل یہ عالمگیر سطح پر تبدیلیوں کا نقطۂ آغاز تھا۔پوری دنیا میں اس وقت مغربی تہذیب کے گہرے اثرات پائے جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ مغرب کے مثبت اور منفی اثرات مختلف تہذیبوں پر پڑ رہے ہیں۔ کئی ممالک مغربی جدیدیت سے متاثر ہونے کے باوجود اپنے اپنے کلچر کو تھامے ہوئے ہیں۔ عموماً تہذیب کی شناخت مذہب سے ہوتی ہے۔اسلامی تہذیب نے مختلف قوموں پر اپنے انمٹ نقوش ثبت کیے، سرد جنگ کے خاتمے کے بعد اگلا نظریاتی و تہذیبی چیلنج اسلام کو قرار دیا گیا۔ موجودہ دور میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پینٹا گون پر حملوں (۹/۱۱) کے بعد دنیا کا نقشہ از سر نو ترتیب دینے کی خواہش کی جا رہی ہے۔

> ''مغربی تہذیب اس وقت دنیا کی سب سے بڑی قوت ہے اور اس کا جو پھیلاؤ ہے وہ کسی پچھلی تہذیب کو نصیب نہیں ہوا۔'' [۱]

پاکستان ۹/۱۱ کے بعد میدانِ جنگ بننے والے ملک افغانستان کا ہمسایہ اور دوست ملک تصور کیا جاتا رہا ہے۔ یہاں بے شمار مدارس ہیں جہاں طالب علموں کو مذہبی تعلیمات کے ساتھ عسکری تربیت بھی دی جاتی رہی جس کا جواز مذہبِ اسلام میں ''جہاد'' کے تصور کی صورت میں نمودار ہوا۔ ماضی میں دنیا بھر سے مجاہدین کی ایک کثیر

تعداد امریکی حمایت کے ساتھ روس کی ''لادین'' حکومت کو ختم کرنے کے لیے سر گرم رہنے اور امریکی سامراج کے اس ایجنڈے کو اپنے تئیں مقدس جنگ سمجھ کر لڑتی رہی۔ بعدازاں جب امریکہ اکیلا سپر پاور بنا تو یہی مجاہدین ''دہشت گرد'' کہلوائے۔

''پاکستان عسکری اور سیاسی طور پر امریکہ کا اتحادی ہے۔ اس کا اعتراف اپنی جگہ ایک حقیقت ہے لیکن یہاں مذہبی شدت پسندی، دینی مدارس میں مخصوص نصابِ تعلیم، مختلف جہادی تنظیموں کی زیر زمین سرگرمیوں، جمہوریت کے عدم تسلسل کی وجہ سے اسے محبوب کا درجہ نہیں دیا جاتا۔'' [۲]

اُردو افسانے میں تقسیمِ ہند کے نتیجے میں جنم لینے والے اندوہ ناک مناظر ہوں یا سقوطِ ڈھاکہ کے بعد کی صورتِ حال، اُردو افسانہ نگاروں نے اسے اپنے تجربات اور مشاہدات کے بعد تخلیقی تجربہ بنایا ہے۔ پاکستان میں مختلف اوقات میں لگنے والے مارشل لاز کے بعد کی گھٹن اور آزادیٔ اظہار پر جبر کی فضا بھی ان تخلیق کاروں کو باز نہیں رکھ سکی۔

گیارہ ستمبر کے اس حادثے نے ہر ملک کے ادب کو متاثر کیا، لہٰذا یہ کیسے ممکن تھا کہ ۱۱/۹ کے بعد کی اس ساری صورتِ حال نے ملکی اور بین الاقوامی سطح پر جن ثقافتی اور تہذیبی اثرات کو مرتب کیا اور ان اثرات نے جس طرح انسانی نفسیات کو بدلا وہ افسانہ نگاروں کے تخلیقی تجربے کا حصہ نہ بنتا:

''ادیب کا قلم اس کا ہتھیار ہے۔ ادیب اپنے قلم سے جنگ کرتا ہے اور جنگ کے اس طریقہ کار میں وہ کسی سے نہیں ڈرتا۔''[۳]

حامد سراج جدید اُردو افسانہ نگاروں میں نمائندہ حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کا افسانہ ''زمیں زاد'' سائنسی طرز پر مبنی ہے۔ سائنس دان اس بات کا حتمی فیصلہ کر لیتے ہیں کہ وہ مریخ پر انسان کو بھیجیں گے۔ تیار کردہ آکسیجن سلنڈر میں آکسیجن کی مقدار پانچ ہزار سال تک ہوتی ہے۔ مذہبی سکالرز اور سائنس دانوں میں بحث ہوتی ہے۔ مذہبی سکالرز تمام مذاہب کی کتابیں بھجوانا چاہتے تھے جب کہ سائنس دان یہ موقف اختیار کرتے ہیں:

''آگ کے گولوں سے ایٹم کی تباہی تک جتنے بھی ہتھیار ہیں وہ مذہبی منافرت کی بنیاد پر ہی ایجاد ہوتے ہیں۔ امن قائم کرنے کی آڑ میں اپنے مفادات کی جنگیں لڑی جاتی ہیں۔''[۴]

محمد حامد سراج کے افسانے ''اندر'' میں ایک نفسیاتی مریض کی حرکات و سکنات کو ظاہر کیا۔ افسانہ نگار نے اس موجودہ دور کے نفسیاتی مسائل اور اُن کی وجوہات کو بیان کیا ہے۔ معاشرے میں پیدا ہونے والی بے چینی، نفسیاتی اُلجھنیں اور پریشانیوں کا حل مذہبی جماعتوں کے پاس نہیں بلکہ اُس رَبّ کی ہدایت پر عمل کرنے میں ہے جس کے پاس

ہر مشکل کا حل ہے جب کہ آج کے دور میں مذہبی جماعتیں اس کا پیغام پہنچانے کی بجائے ایک دوسرے کے خلاف نفرت پھیلانے کا کام کرتی ہیں۔

''چوب دار''میں خوف، جھنجھلاہٹ اور مایوسی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ دنیا میں امن و سلامتی کا دعویٰ کرنے والوں کا حقیقی روپ دکھایا گیا ہے کہ جو بم دھماکوں، میزائلوں اور راکٹوں سے نسل انسانی کا خاتمہ کر رہے ہیں۔ بنیادی طور پر اس افسانے میں یہ تاثر دیا گیا ہے کہ آج کے دور میں یہ دنیا امن وامان کا گہوارہ بننے کی بجائے اسلحے اور بارود کی طرف چل پڑی ہے۔

''گلوبل ولیج''میں نوجوان کے کردار کو علامت بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ بستی کے نابینا لوگوں میں صرف ایک نوجوان کا بینا ہونا انہیں یہ اُمید دلاتا ہے کہ وہ جلد ہی سائنسی ایجادات کی بنا پر اپنی بینائی حاصل کر لیں گے لیکن نوجوان دنیا میں دہشت گردی، قتل وغارت اور بم دھماکوں سے ناآشنا تھا۔

''دائمی حبس''میں خوف اور ذہنی پریشانی کو اُجاگر کیا گیا ہے جو آج کی نوجوان نسل کا بنیادی مسئلہ بن چکا ہے۔ ذہنوں میں جنم لینے والے کئی سوال جب اپنا جواب کھو بیٹھتے ہیں تو پھر ہر طرف بے یقینی اور افسردگی کی فضا چھا جاتی ہے۔ ۹/۱۱ کے بعد یہی صورتِ حال پیش آئی کہ پوری دنیا پر ایک خوف مسلط ہو گیا کہ کسی بھی وقت، کچھ بھی اُن کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ دنیا میں بسنے والے افراد اپنے آپ کو انتہائی غیر محفوظ سمجھنے لگے۔

محمد حمید شاہد کے افسانوی مجموعے ''مرگِ زار'' میں اکثر کہانیاں ۹/۱۱ کے پس منظر میں لکھی گئی ہیں۔ افسانہ ''گانٹھ''میں تارکین وطن کے مسائل کو موضوع بناتے ہوئے ان کی زندگی میں اس واقعے کے بعد رونما ہونے والی تبدیلی کو بیان کیا گیا ہے جب کہ ''موت منڈی میں اکیلی موت کا قصہ''میں امریکہ کے حوالے سے گہرا طنز کیا گیا ہے، افسانہ ''سورگ میں سور''میں ایک ایسی بستی کی کہانی بیان کی گئی ہے جہاں کے لوگ بکریوں کا ریوڑ پالتے ہیں اور اُن کی دیکھ بھال کرتے ہیں اور اس کام کو پاکیزہ فریضہ سمجھ کر نہایت ایمان داری سے انجام دیتے ہیں۔ بستی والے سوروں کے حملہ آور ہونے کی وجہ سے پریشان تھے۔ یہ جنگلی ''سور''بکریاں ہلاک کر جاتے تھے۔ اس پریشانی سے بچنے کے لیے گاؤں والوں نے کتے پالنے شروع کر دیئے لیکن سوروں کی تعداد میں تیزی سے اضافے کی وجہ سے گاؤں والوں کو کتوں کی تعداد بڑھانی پڑی مگر یہ اضافہ بہت معمولی ثابت ہوا :

''یہ کتے ہمارے کھیت اُجاڑنے والوں کے عادی ہو گئے ہیں..... عادی، خوفزدہ یا پھر ان ہی جیسے۔ ''[۵]

گلزار ملک افسانہ نگاری میں اہم مقام کے حامل لکھاری ہیں۔ ۹/۱۱ کے حوالے سے ان کے تین افسانے ''قفس''، ''گل شدہ شمعوں کا نوحہ''اور ''غلام آباد''خاص اہمیت کے حامل ہیں۔

''قفس''میں ۹/۱۱ کے حوالے سے براہِ راست ان لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جنہیں امریکہ نے تشدد اور ظلم و بربریت کی انتہا قائم کرتے ہوئے گوانتاناموجیل میں رکھا۔''گل شدہ شمعوں کا نوحہ''میں بظاہر کوئی کردار نہیں ملتا لیکن موجودہ دور کی صورتحال کی عکاسی کی گئی ہے۔

''غلام آباد''میں ۹/۱۱ کے بعد امریکہ نے جس طرح مسلمان کی پہچان دہشت گرد اور انتہا پسند کے طور پر کرائی اس کی عکاسی کی گئی ہے۔

''عفریت''میں ڈر، خوف اور بے بسی کو یکجا کیا گیا ہے۔افسانہ ''تاریک پڑے لوگ'' میں کم و بیش یہی کیفیت ایک بوڑھی عورت فاطمہ کے ساتھ پیش آتی ہے جو آئے روز دھماکوں اور قتل وغارت کے واقعات سن کر وہ بہت فکر مند ہوتی ہے:

> ''جنگ ہر سو تھی اور کہیں بھی نہ تھی۔ کون کس سے لڑ رہا تھا، مرنے والا کون تھا، مارنے والا کون، کون دوست، کون دشمن، سب معمہ ہی معمہ تھا۔''[۶]

مختلف اخبارات و رسائل میں عہد حاضر کے افسانہ نگاروں نے قلم کے ذریعے اپنے تخلیقی جوہر دکھائے۔الطاف فاطمہ کے افسانے ''دیدا ویدا''میں ایک پاکستانی صحافی رپورٹنگ کے لیے بغداد جاتا ہے اور اس اُجڑتے ہوئے شہر کو ماضی اور حال میں جانچنے کی کوشش کرتا ہے۔ حلیمہ ملکی حالات کی بہتری کے وقت پاکستان میں انتہائی لا اُبالی زندگی گزار رہی تھی مگر ۹/۱۱ کے بعد وہ لڑکی اپنے شہر واپس جاتی ہے اور اس کی نفسیاتی کیفیت اس شہر کی طرح پیچیدگی کا شکار ہو جاتی ہے۔ایک موقع پر وہ صحافی سے اپنی ماں کے بارے میں کہتی ہے:

> ''میزائلوں، راکٹوں کی وجہ سے شکستہ، تباہ شدہ کھنڈروں کی زہریلی مسموم دھول اور تاب کاری اور تپتے ہوئے فرش پر لیٹ کر ہی، ان کا یہ حال ہے۔ کم از کم یہ اپنے حصے کی چند سانسیں تو ذرا بہتر ماحول میں لے سکیں گی۔''[۷]

رشید امجد نے کئی اہم سماجی موضوعات کو اپنی افسانوی نثر کا موضوع بنایا ہے۔ان کا افسانہ ''مجال خواب'' قوموں کے عروج و زوال کے متعلق تمثیلی انداز میں تاریخ کے قبرستان کا سفر بیان کرتا ہے جس میں ایک ایسے نوجوان کو علامت کے طور پر ظاہر کیا گیا ہے جو تاریخ جاننا چاہتا ہے اور اس مقصد کے لیے اپنے مرشد کے ساتھ تاریخ کے قبرستان میں داخل ہوتا ہے۔اسے ہر کتبے پر عروج اور زوال کی پوری داستان تحریری صورت میں ملتی ہے۔

> ''یا مظہر العجائب! یہ بھی کیا معاملہ ہے کہ بینائی باطن کو تو دیکھ سکتی ہے لیکن قلب کو دیکھنے سے محروم ہے۔'' [۸]

اُردو افسانے کا ایک اور معتبر حوالہ منشایاد کا ہے۔ان کے افسانوں میں متنوع موضوعات پائے جاتے ہیں جو اُن کے مشاہدے کی گہرائی اور عمیق تجربات کو اجاگر کرتے ہیں۔ منشایاد نے بھی ۱۱/۹ کے اثرات اور جہادی تنظیم کے شدت پسند رویے کو اُجاگر کیا۔ ''ایک سائیکلوسٹائل وصیت نامہ'' میں متوسط طبقے کی ذہنیت کو بیان کیا گیا ہے کہ کس طرح مجبوری و غربت میں جکڑے پس ماندہ طبقے کے لوگ مذہب کے حوالے سے بظاہر راسخ العقیدہ بن جاتے ہیں اور بحیثیت مجاہد ''شہادت'' کے درجہ پر فائز ہونا چاہتے ہیں:

''آج دنیا کی تمام کافر طاقتیں اسلام کو مٹانے کے لیے پوری کوشش کر رہی ہیں۔ آج مسلمان مغلوب ہیں، آج کشمیری کی طرف دیکھ لیں۔ فلسطین، عراق اور افغانستان کی طرف دیکھ لیں۔''[۹]

زاہدہ حنا کا افسانہ ''نیند کا زرد لباس'' میں افغانستان کی ناگہانی آفت کو موضوع بنایا گیا ہے۔ مرکزی کردار تیرہ سالہ افغان انتہائی ذہین اور خداداد صلاحیتوں کی ملکہ ہے۔ وہ کابل میں دھماکوں کی وجہ سے اپنے ایک ہاتھ سے محروم ہو جاتی ہے جب کہ خاندان کے دیگر کئی افراد ان حملوں میں مارے جاتے ہیں۔ باجوڑ خالی کرانے کا حکم ہوا تو وہ دوبارہ کابل روانہ ہو گئی اور راستے میں امریکی بموں نے اس کی جان لے لی۔ اس کی فریاد خط کی صورت میں ملتی ہے:

''تتلیاں پکڑنے والی میری دو سہیلیوں کو تتلیاں اپنے ساتھ لے گئیں اور میری ایک ہتھیلی بھی ان کے ساتھ چلی گئی۔ ہم نہیں جانتے کہ امریکی بچے بارودی تتلیوں سے کھیلتے ہیں۔'' [۱۰]

خالدہ حسین کا افسانہ ''ابن آدم'' کسی خاص مقام کے تذکرے پر مشتمل نہیں لیکن اس میں عراق کی صورتِ حال بیان کی گئی ہے۔

نیلوفر اقبال کا افسانہ ''اوپریشن مائس ۱۱'' جنرل موسیٰ اور اُن کی بیگم مارتھا کے مابین ۱۱/۹ کے فوراً بعد کی صورتِ حال پر مشتمل مکالمہ ہے۔

مقصود الٰہی شیخ کا افسانہ ''منجمد مناظر'' ملکی صورتِ حال کے حوالے سے معاشرتی عدم تحفظ اور خوف، جہادی تنظیموں کی دہشت گردی کے حوالے سے کی گئی کارروائیوں میں معصوم اور بے قصور نوجوانوں کو ورغلا کر اپنے عزائم کی تکمیل پر مبنی ہے۔

افتخار نسیم کا افسانہ ''پردیسی'' میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی کے بعد مسلم اُمہ کو درپیش مسائل کا حوالہ دیا گیا ہے۔

لیاقت علی کا افسانہ ''مکوڑے'' دہشت گردوں کے نا ختم ہونے والے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ ہم ان سے جتنی بھی کوشش کر کے جان چھڑا لیں یہ کسی نہ کسی کونے کھدرے میں موجود رہتے ہیں اور دھرتی کی جڑوں کو نقصان

پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔

لیاقت علی کا دوسرا افسانہ ''پرچھائیاں''میں اضطراب، بے چینی، خوف اور اُلجھن کا شکار آدمی ہمیشہ خوابوں اور حقیقتوں کے باہمی ملاب سے وجود پانے والی توڑ پھوڑ کا شکار رہتا ہے۔

انور زاہدی کا افسانہ ''یہ جنگل کٹنے والا ہے''میں ایک نوجوان خواب کی صورت ماضی کے بغداد میں خود کو پاتا ہے جہاں ایک تہذیب یافتہ شہر میں کتب خانے جل رہے ہیں، مساجد زمین بوس ہوتی ہیں اور مرنے والوں کی تعداد بچ جانے والوں سے کہیں زیادہ ہے۔

فرخ ندیم کا افسانہ ''چودھویں رات کی سرچ لائٹ'' میں انسانوں کو جانوروں کی اقسام ''ہربی وور''، ''کارنی وور''اور ''اومنی وور''میں تقسیم کیا گیا ہے۔

مصطفی کریم کے افسانے ''عجائب گھر'' میں دہشت گردی کے بڑھتے ہوئے رجحان کی عکاسی کی گئی ہے۔ نیلوفر اقبال کا افسانہ ''سرخ دھبے'' امریکہ کے دو فوجی جوان افسروں کے مابین عراق پر حملے کے بعد کی براہِ رست صورتِ حال پر مبنی ہے۔

عطیہ سیّد کا افسانہ ''بلقیان کابت''میں افغانستان کا براہ راست احوال شامل ہے۔

نجم الحسن رضوی کا افسانہ ''میلہ مویشیاں''میں بظاہر ایک میلے میں ہونے والی بدمزگی کو موضوع بنا کر معاشرے کے اجتماعی رویے پر تنقید کی گئی ہے۔

فاروق خالد کا افسانہ ''کار گر''میں خوف، بے چینی اور کش مکش کی بھرپور عکاسی کی گئی ہے۔

حیدر ملک کا افسانہ ''دہشت گرد چھٹی پر ہیں''میں اُن خفیہ عناصر کی نشان دہی کی گئی ہے جو ملکی حالات کی سنگینی کے اصل ذمہ دار ہیں۔

عرفان احمد عرفی کا افسانہ ''رئیلٹی شو''ڈرامائی انداز میں لکھا گیا ہے جس میں مسلسل یہی تجسّس رہتا ہے کہ ڈراما اور حقیقت کیا ہے۔

''یہ واقعہ ایک عہد کی فصیل اور دوسرے عہد کا دروازہ ہے۔'' [۱۱]

اردو افسانہ نگاروں نے دہشت گردی، خوف اور شناخت کے بحران کو مد نظر رکھتے ہوئے پاکستانی معاشرے کا عکس شامل ہے کہ کس طرح انسانی زندگی عدم تحفظ کا شکار ہوئی اور موت کے منڈلاتے سائے جہاں عام لوگوں نے شدت سے محسوس کیے وہیں ادیب بھی اس ساری صورتحال میں قلم کو بطور ہتھیار استعمال کرنے پر مجبور ہوا۔افسانہ نگاروں نے نہ صرف خوف و بے یقینی کا نہ صرف اظہار کیا بلکہ احساس دلایا کہ ایسی صورتحال ثقافتی،

تہذیبی اور مذہبی حوالے سے کس قدر سنگینی کا باعث ہے۔۹/۱۱ کے تناظر میں جنم لینے والا یہ تہذیبی بحران اب ایک تسلسل کے ساتھ اُردو افسانے کا موضوع بن رہا ہے جس پر آنے والے دنوں میں بھی بہت سی کہانیاں منظر عام پر آنے کی اُمید کی جاسکتی ہے۔اُردو کے جن دیگر افسانہ نگاروں کے ہاں اس صورتِ حال کے اثرات نمایاں طور پر دکھائی دیتے ہیں اُن میں معراج نیر، کمال مصطفی، حفیظ شیخ، انور خلیل شیخ، حفیظ کاشمیری، عمر حیات، شبیر حسین قمر، سہیل جاوید، احمد اعجاز، منیر الدین احمد، ارشاد احمد صدیقی، اکبر بریلوی، سعید انجم، اسماء وارثی، نغمانہ شیخ، صفیہ صدیقی، افضل توصیف، خالد سہیل اور شائستہ سیّد ایمن اور فرحت پروین شامل ہیں۔ سلطان جمیل نسیم، پرویز انجم، اکرام بریلوی، مسعود صابر، احمد اعجاز، مجید اختر، عاطف سلیم، رابعہ الربا، ہاشم ندیم خان، شہناز خانم عابدی، مسعود مفتی، نجم الحسن رضوی کے افسانوں کا جائزہ لیں تو ان کے پس منظر میں عراق اور افغانستان پر کی گئی بمباری کو اُجاگر کیا گیا ہے نیز اُن محرکات کو ظاہر کیا گیا ہے جو سیاسی واقعات اور صورتِ حال بیان کرتے ہیں۔

جب بھی کوئی اہم موضوع مباحث کا حصہ بنتا ہے تو اس کے لیے ایک وسیع تناظر ہمارے پیش نظر ہوتا ہے تاکہ اس تناظر کو سمجھنے، اس پر بات کرنے اور اس کی مختلف جہات کو دیکھنے کے لیے اس کے دائرہ کار احاطہ کیا جاسکے۔ بالخصوص ایسا موضوع جو عالمی نوعیت کا حامل ہو اس کے لیے تحدید کرنا کارِ مشکل ہے۔جب بات عالمی سطح کی ہو تو ایک وسیع تناظر کو ہی دیکھا جاتا ہے۔مثال کے طور پر چشمِ فلک نے مختلف وبائیں (خصوصاً عالمی وبائیں) دیکھیں، ان کی تباہ کاریاں اور مابعد و باصورتِ حال کا جائزہ لیا جائے تو یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ ان وباؤں نے ہمیشہ ایک جگ جہان کو بری طرح متاثر کیا۔ دنیا (بالخصوص تیسری دنیا) میں ان وباؤں کے مختلف النوع اثرات مرتسم ہوئے: بیماری، بے روزگاری، موت، مہنگائی، عالمی سطوح پر انقطاع، کارپوریٹ کلچر کی پورے تزک واحتشام سے ترویج وارتقا وغیرہ کی بدولت ان وباؤں نے کسی حد تک تنہائی اور اجنبیت کو بھی جنم دیا:

''ہم ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں کہ اس مرگِ انبوہ سے پہلے یہ بیماری خود افسانہ بن کر رہ جائے۔''[۱۲]

آج کی طرح اس عالمی وبا نے بھی مذہب، نسل، ذات اور قومیت کی تفریق کیے بغیر لوگوں کو اپنے عتاب کا نشانہ بنایا۔اس دور میں قبرص اور بابل اور مصر بھیجے گئے خطوط اور دستاویزات سے اُس تباہی کا نشان ملتا ہے جس نے بادشاہ و سپاہی، خاص و عام، فرعون یا غلام، کسی کو بھی نہیں بخشا:

''بابل کی قدیم سلطنت 'اکاد' کی زبان 'اکادو' میں اس وبا کو 'کسار و متانو' کا نام دیا گیا یعنی 'باندھ دینے والی بیماری۔''[۱۳]

۱۵۶ء تا ۱۸۰ عیسوی تک جاری رہنے والی وبا جسے 'انتونین' کا نام دیا گیا۔ جس نے یورپ کے بڑے حصے کو

تہہ و بالا کیا جب رومی سلطنت پورے عروج پر تھی۔اس وبا میں پچاس لاکھ سے ایک کروڑ تک نفوس لقمۂ اجل بنے۔ اس وبا کو خسرہ اور چیچک کا نام بھی دیا گیا۔ ۵۴۱ء تا ۵۴۲ء میں آنے والی وبا 'جسٹینین' نے اڑھائی کروڑ افراد شکار کیے۔۱۳۴۷ء سے ۱۳۵۱ء تک 'سیاہ موت' کے نام سے ایک وبا منظر عام پر آئی جس میں ساڑھے سات کروڑ تا ۲۰ کروڑ ہلاکتیں ہوئیں:

''جراثیم نے سب کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے اور کوارنٹین تو انہیں دوزخ کی مانند لگنے لگی اور شاید یہی وجہ تھی کہ لوگ بیماری کو چھپا رہے تھے۔''[۱۴]

۱۹۱۵ء تا ۱۹۲۶ء میں آنے والی ایک شدید ترین 'نیند کی وبا' منظر عام پر آئی۔ مرض کی شدت میں مریض ہل جل نہیں سکتا اور بت کا بت بنا رہ جاتا ہے۔اس وبا نے پندرہ لاکھ کے قریب افراد کی زندگی کا چراغ گل کیا۔۱۹۱۸ء تا ۱۹۲۰ء 'ہسپانوی فلو' کے نام سے ایک وبا دنیا کے نقشے پر اُس وقت ظاہر ہوئی جب دنیا جنگِ عظیم اوّل کی وجہ سے خاک و خون میں غلطاں تھی۔اس وبا نے دس کروڑ کے قریب لوگوں کو اپنا شکار بنایا :

'' ۱۹۵۷ء تا ۱۹۵۸ء میں چین ہی سے ایک فلو اٹھا جسے ''ایشیائی فلو'' کا نام ملا۔''[۱۵]

فی زمانہ دیگر وباؤں کی نسبت کرونا وبا ''کوویڈ 19'' کے نام سے منظر عام پر آئی۔

''یہ وائرس اس لئے خطرناک ہے کہ یہ انسان سے انسان کے درمیان پھیلنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔''[۱۶]

کسی بھی وبا کے اثرات صرف معاشی طور پر ہی نہیں بلکہ سماجی، سیاسی اور ادبی طور پر بھی اس کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ موجودہ وبا نے اردو ادب کے شہ دماغ ہم سے چھین لیے تاہم ان وباؤں نے دنیا کو بڑا تخلیقی ادب بھی دیا ہے۔

اُردو دنیا میں بھی اس حوالے لکھا گیا، حسن منظر کا ناول ''وبا'' اور مستنصر حسین تارڑ کا ناول ''کوچہ خالی، خانہ خالی'' کے عنوان سے منظر عام پر آیا۔ خاور چودھری کا افسانوی مجموعہ ''طلسم کہن'' کرونائی پس منظر میں اردو ادب کا پہلا افسانوی مجموعہ ہے جس میں کرونا کے حوالے سے مختلف طرح کی صورتحال اور سماجی زندگی پر اس کے اثرات کا بھرپور اظہار شامل ہے۔ سادہ اور عام فہم اسلوب کی حامل کہانیوں میں روزمرہ کے جیتے جاگتے کرداروں اور ان کی نفسیاتی کیفیت کے علاوہ بتایا گیا ہے کہ جہاں خوف کی فضا قائم ہو، وہیں امید کی کرنیں بھی جگمگاتی نظر آتی ہیں:

''کوارنٹین کوئی بیماری نہیں، بلکہ وہ اس وسیع رقبہ کا نام ہے جس میں متعدی وبا کے ایام میں بیمار لوگوں کو تندرست انسانوں سے ازروئے قانون علیحدہ کر کے لاڈالتے ہیں تاکہ بیماری بڑھنے نہ پائے۔'' [۱۷]

خاور چودھری کے افسانوں میں روزمرہ زندگی کے معمولات اور انداز فکر پایا جاتا ہے۔ وہ اپنے گردوپیش کی

معمولی صورتحال سے غیر معمولی نتائج سامنے لاتے ہیں۔بظاہر سادہ او تہہ دار پہلو بھی ہیں۔گھروں میں موجود افراد کس طرح وبائی صورتحال سے نمٹ رہے تھے نیز ان کی زندگی میں کیا کچھ تبدیلیاں آئیں، یہ کیفیت ان افسانوں شدت سے محسوس ہوتی ہے۔ابتدا میں فراغت سے گزرا وقت بھلا معلوم ہوتا ہے تاہم وقت کے ساتھ ساتھ یہ تفریح وبال جان محسوس ہوتی ہے:

''جن مردوں کے پاس عورتوں کی ضروری باتیں سننے کا وقت نہیں تھا اب پورے پورے دن ان کو عورتوں کے طعنے سننے پڑ رہے ہیں، یہ لاک ڈاؤن ان کی زندگی میں تو وبال بن گیا ہے۔''[۱۸]

حکومتی اقدامات کے باوجود بڑے پیمانے پر اس وائرس پر قابو پانہایت مشکل مرحلہ ہے:

''وائرس زائرین کی وجہ سے نہیں پھیلا بلکہ تبلیغی جماعت کے اراکین بھی اس کا ایک بڑا سبب ہیں، یہ غرض کی چلتی پھرتی فیکٹریاں ہیں۔''[۱۹]

خاور چودھری کی حالاتِ حاضرہ پر کڑی نظر ہے یہی وجہ ہے کہ وہ نا صرف روزمرہ زندگی کے واقعات کو کہانی کا روپ دیتے ہیں بلکہ مختلف مکتبۂ فکر کی زندگیوں پر اس واقعے کے اثرات سے متعلق صورتحال کو نہایت خوبی سے بیان کرتے ہیں۔ڈاکٹر حضرات اس وائرس کا براہِ راست شکار ہیں تاہم ان کی زندگیاں دوسروں کی جان بچانے کی کوشش میں موت کی بھینٹ چڑھ رہی ہیں۔اسی طرح سماجی خدمات انجام دینے والے بھی یہ سوچ رکھتے تھے کہ:

''یہ معاملہ اللہ کے ساتھ ہے۔ میں ہوں نہ ہوں یہ مت سوچنا باہر حال انسانیت کے دکھوں کا مداوا کرنا جو سہولیات میسر ہیں انہیں دردمندوں تک پہنچانا۔'' [۲۰]

یوں وبا کے حوالے سے پورا مجموعہ مختلف طبقوں کے خدشات، مشکلات اور نفسیات کا عکاس ہے کہیں بھوک کو مرکزی اہمیت ملی اور کہیں خدمت خلق کا درس شامل ہے، اسی طرح کاروباری زندگی کے معطل ہو جانے کی بدولت لوگوں کی بے چینی کا احوال بھی کہانیوں کا موضوع بنتا ہے۔''طلسم کہن'' میں اس سارے عمل کی وضاحت کچھ اس طرح کی گئی:

''ڈھیل کو طاقت خیال کرنے سے ہی تو انسان دھوکہ کھاتا ہے وہ جو موت کو شکست دینے کا جتن کر رہے تھے؛ وہ جو مدیر کو نظرانداز کر کے مدار کو اپنی مرضی کے تابع کرنا چاہتے تھے؛ اس ایک وائرس سے ہراساں ہو چکے ہیں۔''[۲۱]

جب وبا کے دنوں میں محبت کی کونپلیں پھوٹنے لگیں اور اس میں مبتلا افراد ایک دوسرے کو بغیر کسی احتیاطی تدابیر کے اپنے لمس سے محبت کا احساس کشید کریں تو قربت و دوری کی دونوں صورتیں موت کا احساس دلاتی ہیں۔:

''جس چیز کو انسان دبا کر رکھتا ہے وہ موقع پاتے ہی غیر متوقع ظاہر ہو جاتی ہے۔''[۲۲]

دعا عظیمی کا افسانہ ''محبت نامے لکھنے والی لڑکی''میں دریائے ڈان کی رہائشی بلیو بیل کرونائی صورتحال سے معاشی طور پر متاثر ہوتی ہے۔:

''وبا کا پھیلنا کسی شہر کے جنگ کی لپیٹ میں آجانے جیسا ہوتا ہے۔'' [۲۳]

تاہم بلیو بیل ان دنوں محبت میں بھی مبتلا ہو جاتی ہے اور یہ جاننے کے باوجود خود کو نہیں روک پاتی کہ اسے جس شخص کی محبت نے اپنے وجود کا احساس دلایا، وہ اس نئے مرض کا شکار ہو چکا ہے لہذا اس کی طرف سے محبت نامہ اور کرنسی کے نوٹ بلیو بیل کو سرشاری میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ یہ صورتحال جہاں خوف کا باعث ہے وہیں محبت پا لینے کی حسرت کا بھی خوبصورت اظہار ہے۔

''دنیا ایک بیماری کے تاپ میں مبتلا تھی مگر جنگل میں رقص طاؤس جاری تھا۔'' [۲۴]

کرونائی صورتحال کی بدولت جہاں عام افراد کے لیے زندگی کی چہل پہل نے دم توڑ دیا وہیں ڈاکٹر حضرات بھی اس وائرس سے براہ راست مقابلہ کر رہے ہیں۔ عظیم اللہ ہاشمی کا افسانہ '' شب غم کا چاند'' میں ایک میڈیکل آفیسر ڈاکٹر شہریار کی زندگی کے معاملات پر بات کی گئی ہے جو اس آفت سے سے بچاؤ کے لیے مریضوں کی دن رات خدمت کرتا ہے تاہم اس کی اپنی نجی زندگی اس سارے عمل میں متاثر ہوتی ہے۔ وہ ہسپتال کے ذمہ داریاں نبھاتے ہوئے اپنے گھر سے دوری اختیار کر لیتا ہے تاکہ اپنے پیاروں کو محفوظ رکھ سکے۔ ڈاکٹر شہریار وائرس سے مر جانے والوں کا نوحہ بیان کرتا ہے جو قاری کو اذیت میں مبتلا کرتا ہے:

''عالم انسان پر اتنی بڑی افتاد اِس سے پہلے کبھی نہیں آئی۔اِس مرض میں مرنے والوں کی لاش ہم لوگ وارثین کو نہیں دے رہے ہیں بلکہ سرکاری خرچ سے اجتماعی تدفین ہو رہی ہے کیونکہ لاعلاج وبائی مرض بری طرح پھیل گئی ہے۔''[۲۵]

صائمہ نفیس کا افسانہ محنت کش طبقے کے مسائل پر مبنی کہانی میں وہ''لاک ڈاؤن ''کی صورتحال کے پیشِ نظر لوگوں کو احتیاطی تدابیر کے حوالے سے چوکنا کرتی ہیں۔ روزی کمانے کے لیے کی گئی کوششوں میں رکاوٹ کس طرح عام افراد کو متاثر کرتی ہے۔ سراج فاروقی کے ہاں بھی غریب طبقے کے مسائل اور زندگی کی دیگر مشکلات سے نبرد آزما ہونے والے افراد کی کہانیاں ملتی ہیں، اس سارے عمل میں اگر کسی کی موت واقع ہو جائے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ کرونا کی بدولت زندگی سے محروم ہو گیا تاہم حقیقت اس کے برعکس کچھ یوں ہے:

''غریب کو بھوک سے بڑھ کر کیا بیماری ہوتی ہے؟اس کی بھوک مٹ جائے، سب بیماری اپنے آپ ختم ہو

جاتی ہے۔''[۲۶]

مختلف افسانوں میں جہاں مایوسی اور زندگی کی بے ثباتی کو بیان کیا گیا ہے وہیں ''امید نو''ایسی کہانی ہے جو حالات کی سنگینی کے باوجود پر عزم رہنے کی تلقین کرتی ہے۔افسانے میں ایک فیکٹری کے مالک کی صورتحال بیان کی گئی ہے جو اپنی بیٹی کی شادی کے انتظامات میں مگن تھے تاہم کرونا کی بدولت شادی ملتوی ہو گئی، وو ہان میں ان کا اکلوتا بیٹا تعلیم کی غرض سے مقیم تھا تاہم حالات بہتری کی طرف گامزن ہوئے اور لاک ڈاون میں انہیں احساس ہوا کہ زندگی کے وہ لمحات انمول ہوتے ہیں جو اپنوں کے سنگ گزریں:

''وطن عزیز میں پھیلی کرونا کی موزی وبا نے جہاں انھیں پیاروں کے قریب کیا، دوسروں کا ہمدرد و غمگسار بنایا تھا، وہیں انھیں زندگی جینے کی نئی امید وامنگ سے بھی روشناس کرادیا تھا۔''[۲۷]

رابعہ الربا افسانہ ''اکلوتی اولاد ملک و قوم کے لیے نقصان دہ ہے''میں دلچسپ انداز بیان سے ایسے کرداروں کو منظر عام پر لاتی ہیں کہ جو بچپن میں اکلوتا ہونے کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں اور بعد میں اپنی انا اور ضد جیسی خاصیتوں کے ساتھ حکمرانی سنبھال لیتے ہیں جس کی بدولت ان کے فیصلے ملک و قوم کے لئے نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں:

''ٹرمپ نے جب سے یہ خواب دیکھا ہے اسے کرونا کا مرض لاحق ہو گیا ہے مودی خوف میں ہے کہ سردی آرہی ہے کہیں اس کو بھی یہ مرض گلے نہ لگالے۔بورس جانسن تنہائی میں گاتا پکڑا گیا ہے۔''[۲۸]

سراج فاروقی افسانہ ''بدمعاش''میں ایسے تاجروں کی عیاری سے واقفیت دلاتے ہیں کہ جو مشکل حالات میں مہنگی چیزیں بیچ کر منافع کمانے کے چکروں میں رہتے ہیں۔ایسے ہی ایک تاجر ملکی صورتحال کو پس پشت ڈال کر یہ مشورہ دیتا ہے:

''فائدہ کماؤ...مہنگا لے جاؤ....اور مہنگا بیچو،اس سے بڑھیا موقع بار بار ہاتھ نہیں آئے گا۔'' [۲۹]

افسانہ ''اناج پانی''ایسے نیک دل شخص کی کہانی بیان کرتا ہے کہ جو لاک ڈاؤن کے دنوں میں غریبوں کی مدد کرتا ہے۔اس مقصد کی بلا تفریق تکمیل ہی انسانیت کی معراج ہے۔اس وبا کی بدولت جہاں لوگوں نے موت کے خوف میں مبتلا ہو کے غریبوں کی مدد کی تاکہ انہیں اس مصیبت سے نجات مل جائے وہیں اکثر لوگ اس انتظار میں رہے کہ یہ وبا اس طرح جاری وساری رہے تاکہ ان کی مدد ہو،ایسا ہی ایک گھرانہ کرونا کی بدولت اچھے حالات میں زندگی گزار رہا تھا اور انھوں نے برملا اظہار کی:

''یہ کرونا کب تک رہے گا؟ یہ کتنا اچھا ہے۔ہم بھائی بہنوں کو کتنا آرام مل رہا ہے۔اے کرونا! تیرا

شکریہ ''[۳۰]

کرونائی صورتحال سے جہاں خوف اور موت کا سایہ منڈلانے لگا وہی تنہائی کا شکار افراد اپنی بے بسی کا ماتم کرتے رہے۔ نورالحسنین کا افسانہ ''زندہ درگور'' ایسے ماحول کا عکاس ہے کہ جس میں بھرے گھر کے مکین اسپتال میں لاوارثوں کی طرح اپنے دن گن رہے ہیں اور اس موقع پر اگر کسی کا کرونا ٹیسٹ پازیٹو آجائے تو بیک وقت اس کی زندگی کی رونقیں ختم ہو جاتی ہیں:

''ایک عجیب سی تنہائی تھی جیسے وہ زندہ درگور ہو گئے ہوں، نہ کوئی پُرسانِ حال تھا۔ نہ کوئی انسانی آواز سنائی دیتی تھی۔''[۳۱]

افسانہ ''خوش خبری'' میں لالچ کو کو موضوع بنایا گیا ہے۔ گھر کا بزرگ وبا سے نمٹنے کی جدوجہد میں مصروف تھا، لالچی خاندان کے لئے یہ خبر کسی صدمے سے کم نہیں تھی کہ وہ کرونا کو شکست دے چکے ہیں تاہم بٹوارہ کرنے والوں کی چال قاری کو ایک لخت چونکا دیتی ہے:.

''جائیداد کے تین حصے ہوئے ہیں نا۔ اب اسے چار حصوں میں بانٹا جائے

یہ چوتھا حصہ دار کون آگیا بھیا؟

چوتھا حصہ دار ڈاکٹر مہرہ ہیں۔''[۳۲]

افسانہ ''گڈ بائی'' میں ایک تنہا بڑھیا کے کرب کی داستان ہے۔ وہ اپنے بچوں سے ملنے کو ترستی تھی، کرونا نے کبھی کبھار کی ملاقات کی آس بھی ختم کر دی، اب اسے تنہائی کا خوف تھا۔ روح پرواز کرنے سے قبل اسے زندگی یہ احساس دلاتی ہے انسان کی موقع پر اس قدر بے بس ہو جاتا ہے کہ جیتے جی اسے اپنوں کی جدائی اداس کر دیتی ہیں اور مرنے کے بعد یہ بھرم بھی ختم ہو جاتا ہے کہ اپنوں کا کندھا نصیب ہو گا:

''اُس نے دِل ہی دِل میں اپنے ربّ کو مخاطب کرتے ہوئے دعا کی کہ اُسے اِس وبا میں مرنے والوں کی طرح بے گور و کفن موت نا نصیب کی جائے۔''[۳۳]

''راندۂ درگاہ'' دیار غیر میں مقیم ایسے افراد پردیس میں رہتے ہوئے اپنی واپسی کا تصوف بھول جاتے ہیں تاہم وہ اس صورتحال کی بدولت انہیں نہ صرف اپنا آپ ادھورا محسوس ہوتا ہے بلکہ موت کے خوف اور زندگی کی یک لخت رک جانے کی بدولت ایسے افراد جب وطن واپس آتے ہیں تو انہیں سب کچھ اجنبی محسوس ہونے کے بعد بھی کم از کم یہ تسلی ضرور محسوس ہوئی کہ وہ اپنا کوئی نہ کوئی ایسا ٹھکانہ ضرور رکھتے ہیں کہ سستا سکیں۔ انتظار کی سولی پر لٹکنے والے طنز میں ڈوبے لہجے کے باوجود خیال رکھنا نہیں بھولتے:

''کچھ نہیں ہو گا احمد حسن! میں نے قرنطینہ کے اٹھارہ برس کاٹ لیے۔ بس تم ٹھیک ہو جاؤ۔ میں امید کی دنیا میں جیتی ہوں۔ اس گھر سے بلائیں اور وبائیں سب دور رہیں گی۔''[۳۴]

کرونائی صورتحال نے جہاں لوگوں کو اپنے گھروں میں قید پر مجبور کر دیا ہے وہیں اس وقت حیرت راہ تکتی ہے کہ جب قید خانے میں مجرم رہائی سے ڈر جاتے ہیں کیونکہ انہیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ قید کے بعد کم از کم وہ بآسانی آزادی حاصل کر سکیں گے اور اگر انھیں رہا کیا جا رہا ہے تو دوسرے لفظوں میں یہ قدم سرعام پھانسی دینے کے مترادف ہے۔ اسی لیے افسانہ ''آزادی نہیں چاہیے'' میں مجرم واضح طور پر یہ کہتے ہیں:

''آپ ہمیں آزادی نہیں دلا رہے ہیں. بلکہ باہر کورونا وائرس کے شکنجے میں دیکر ہمیں سزائے موت دینا چاہ رہے ہیں۔''[۳۵]

واقعاتی یا ہنگامی حالات میں تخلیق کردہ ادب کی اپنی اہمیت ہوتی ہے لیکن بعض اوقات یہ خوف بھی محسوس ہوتا ہے کہ کہیں اس طرح ادب میں سطحی پن تو پیدا نہیں ہو رہا ہمارے سامنے ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ کسی بھی دور کا جائزہ لیں، یہ صورتحال متوازی چلی آ رہی ہے، بالخصوص آج کے دور میں جب دنیا کارپوریٹ کلچر میں تبدیل ہو گئی ہے، ایسی وبا سر اٹھائے کہ جس نے سماج کی تمام چیزوں کو یک لخت تبدیل کر دیا، ادب لکھنے والوں میں بعض نے سنجیدگی سے لکھا تاہم اکثر ادباء کے ہاں ہنگامی صورتحال کو اہمیت حاصل رہی۔ جنگ عظیم اول اور دوم میں بھی ایسا منظر دیکھنے کو ملا ۱۹۴۷ء کی تقسیم ہو یا ۶۵ء اور ۷۱ء کی جنگوں پر نظر دوڑائیں تو لکھا بہت گیا تاہم بڑے ادب کی تخلیق کم ادیبوں کا مقدر بنی۔ فیض آج بھی زندہ ہیں جبکہ جالب کو وہ مقام نہیں مل سکا کیونکہ نظریئے اور نعرے کا فرق ہے۔

یوں اردو افسانے کو مابعد ۱۱/۹ کے تناظر میں دیکھا جائے تو نتیجے میں پیدا ہونے والے عصری آشوب نے جہاں دیگر شعبہ ہائے زندگی پر اپنے گہرے اثرات مرتب کیے وہاں ادب بھی متاثر ہوا۔ اس تاریخی واقعہ کے تناظر میں جنم لینے والا پاکستانی اُردو افسانہ متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکا، اردو افسانہ نگار خوف، تشدد اور بیگانگیت کی اس صورتِ حال کو اپنا موضوع بناتے دکھائی دیتے ہیں۔ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی کے بعد دنیا میں بدامنی اور انتشار کے گہرے اثرات پر اردو ادب کے نمایاں افسانہ نگاروں نے حساس موضوعات پر قلم آزمائی کی۔ ان افسانوں کی بدولت اہلِ مغرب کا مسلم دنیا پر حملہ آور ہونا اور انہیں ہمیشہ مجرم گردانا، مغرب کا مشرق پر اپنے ہتھیاروں سے لیس ہو کر تباہی پھیلانا، انسان کا ماحول میں خوف و ہراس کی فضا قائم کیے رکھنا جیسے کئی سوال ذہنوں میں اُبھرتے ہیں۔ بنیادی طور پر دیکھا جائے تو مابعد نائن الیون انسان کے اجتماعی مسائل کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

اسی طرح کرونائی صورتحال پر مبنی ان افسانوں کا جائزہ لینے کے بعد یہ احساس ہوتا ہے کہ ادیب جہاں اپنے حساس ہونے کا ثبوت فراہم کرتے ہیں وہیں زندگی کے مختلف معاملات پر بھی ان کی گہری نظر اور تصور کارفرما ہے۔ معاشرتی مسائل، لوگوں کی نجی زندگی کو درپیش مشکلات اور لاک ڈاؤن جیسی صورتحال سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ معاشی طور پر لوگ پریشانی میں مبتلا ہیں نیز نفسیاتی الجھنوں اور موت کا خوف بھی ان کے سروں پر منڈلا رہا ہے۔ کرونا بظاہر ایک جرثومہ ہے تاہم اس کے اثرات نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ مختلف طرح کے حالات جہاں امید کا دامن تھامنے پر مجبور کرتے ہیں وہیں بسا اوقات یہ محسوس ہوتا ہے کہ جب قدرت خود اپنا فیصلہ صادر کردے تو انسان کی منصوبہ بندی ناکام ثابت ہوتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ محمد مجیب، دنیا کی تاریخ، کراچی: سٹی بک پوائنٹ، ۲۰۰۵ء، ص ۱۴۲

۲۔ محمود شام، امریکہ کیا سوچ رہا ہے، کراچی: ویلکم بک پورٹ پرائیویٹ لمیٹڈ، مین اُردو بازار، جنوری ۲۰۰۵ء، ص ۳۱۷

۳۔ سہیل احمد، (مرتب)، پاکستانی زبان و ادب پر ۱۱/۹ کے اثرات، مقالات بین الاقوامی ادبی سیمی نار، جامعہ پشاور: باڑہ گلی سمر کیمپس، ادارہ ادبیاتِ اُردو، فارسی و لسانیات، ۷تا۱۱/اگست ۲۰۱۰ء، ص ۱۱۱

۴۔ حامد سراج، وقت کی فصیل، اسلام آباد: پورب اکادمی، طبع دوم، اگست ۲۰۰۹ء، ص ۵۰

۵۔ محمد حمید شاہد، مرگ زار، کراچی: اکادمی بازیافت اُردو بازار، ۲۰۰۴ء، ص ۱۰۵

۶۔ گلزار ملک، اندھوں کی بستی میں محبت، فیصل آباد: مثال پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء، ص ۸۰

۷۔ الطاف فاطمہ، دیدا وید، لاہور: مشمولہ فنون، شمارہ نمبر ۱۲۱، ص ۱۴۶

۸۔ رشید امجد، ڈاکٹر، مجالِ خواب، اسلام آباد: مشمولہ، سمبل، جنوری تا جون ۲۰۰۸ء، ص ۲۰۵

۹۔ منشایاد، ایک سائیکلوسٹائل وصیت نامہ، کراچی: مشمولہ، دنیازاد، کتابی سلسلہ نمبر ۲۵، ص ۱۵۸

۱۰۔ زاہدہ حنا، نیند کا زرد لباس، مشمولہ، کراچی: دنیازاد، کتابی سلسلہ نمبر ۵۲، ص ۱۸۶

۱۱۔ نجیبہ عارف، ۱۱/۹ اور پاکستانی اُردو افسانہ (منتخب افسانے)، اسلام آباد: پورب اکادمی، طبع اوّل، مئی ۲۰۱۱ء، ص ۱۱

12. https://www.humsub.com.pk/305242/asif-farrukhi-132

۱۳۔ سید عرفان مزمل، www.bbc.com/urdu/world، (۲۵ مئی ۲۰۲۰ء)

۱۴۔ شمشاد علی، ڈاکٹر، http://avadhnama.com(۲۲ اپریل ۲۰۲۰ء)

15. https://daleel.pk/2020/02/02/128248

۱۶۔ زیف سید، www.independenturdu.com، (۹ فروری ۲۰۲۰ء)

17. https://m.thewireurdu.com/article/quarantine-disease-rajindar-singh-bedi-story/83668

۱۸۔ محمودہ قریشی، لاک ڈاؤن، urdu.culturebooklet.com،(۲ دسمبر ۲۰۲۰ء)

۱۹۔ خاور چودھری، طلسم کہن، فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۲۰ء، ص: ۳۷

۲۰۔ ایضاً، ص: ۹۰

۲۱۔ ایضاً، ص: ۱۰۲

22. https://urdu.culturebooklet.com/Blog/bismilazad

۲۳۔ آصف فرخی، وبا کے دنوں میں افسانے، (https://www.humsub.com.pk/305242 مارچ ۲۰۲۰ء)

۲۴۔ دعا عظیمی، محبت نامے لکھنے والی لڑکی، www.independenturdu.com، (۹ فروری ۲۰۲۰ء)

۲۵۔ عظیم اللہ ہاشمی، ڈاکٹر، شب غم کا چاند، urdu.culturebooklet.com، (۲۱ اکتوبر ۲۰۲۰ء)

۲۶۔ سراج فاروقی، رحمت، urdu.culturebooklet.com، (۱۵ اکتوبر ۲۰۲۰ء)

۲۷۔ تنزیلہ احمد، امید نو، urdu.culturebooklet.com، (۱۴ اکتوبر ۲۰۲۰ء)

۲۸۔ رابعہ الرباء، اکلوتی اولاد ملک و قوم کے لیے نقصان دہ ہے، urdu.culturebooklet.com، (۱۰ اکتوبر ۲۰۲۰ء)

۲۹۔ سراج فاروقی، بدمعاش، urdu.culturebooklet.com، (۱۷ اکتوبر ۲۰۲۰ء)

۳۰۔ احمد سلیم سلیمی، کورونا تیرا شکریہ، https://urdu.pamirtimes.net، (۲۸ مارچ ۲۰۲۰ء)

۳۱۔ نورالحسنین، زندہ در گور، urdu.culturebooklet.com، (۲۱ اکتوبر ۲۰۲۰ء)

۳۲۔ شمشیر علی شعلہ، خوش خبری، urdu.culturebooklet.com، (۱۸ اکتوبر ۲۰۲۰ء)

۳۳۔ رومانہ رومی، گڈ بائی، urdu.culturebooklet.com، (۲۱ اکتوبر ۲۰۲۰ء)

۳۴۔ فرزانہ روحی اسلم، راندۂ درگاہ، urdu.culturebooklet.com، (۱۵ اکتوبر ۲۰۲۰ء)

۳۵۔ شمشیر علی شعلہ، آزادی نہیں چاہیے، urdu.culturebooklet.com (۱۴ اکتوبر ۲۰۲۰ء)